مولانا محمد طاسین

مضاربت کی حقیقت اور شرعی حیثیت

قسط (۴)

اس میں شک نہیں کہ اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں قراض و مضاربت کا معاملہ عام طور پر رائج چلا آ رہا تھا لیکن اسلام کے بعد خصوصاً تحریم ربوٰ کے اعلان کے بعد اس کا رواج تقریباً ختم ہو گیا۔ زرقانی شرح مؤطا کی عبارت میں آپ نے پیچھے پڑھا کہ بعض علماء کے نزدیک اسلام میں مضاربت کا پہلا معاملہ وہ تھا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحب زادوں کے درمیان طے پایا اور بعض کے نزدیک پہلا معاملہ وہ تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور یعقوب مولیٰ الحرقہ کے مابین طے پایا، اس کا صاف مطلب یہ کہ اسلام میں معاملے کی اہمیت تقریباً ختم ہو گئی اور اس کو تھرڈ کلاس قسم کا معاملہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ بعض ضعیف روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مضاربت کا جو ذکر ہے اس کی کوئی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی نہیں کہ حضرت عباسؓ تحریم ربوٰ کے اعلان تک جو سن نو ہجری میں ہوا ربوٰ کا لین دین بھی کراتے رہے تا آنکہ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ختم کرنے کا اعلان فرمایا اور ظاہر ہے کہ ربوٰ کے مقابلہ میں مضاربت کئی وجوہ سے بہتر معاملہ ہے۔ لہٰذا اگر حضرت عباسؓ ربوٰ کے معاملہ کے ساتھ ساتھ قراض و مضاربت پر بھی مال دیتے اور کام کراتے رہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

بہر حال جو علماء حضرات جوازِ مضاربت کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ معاملہ پہلے سے رائج چلا آ رہا ہے اسلام نے اس سے روکا نہیں بلکہ اسے قائم و جاری رکھا اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہؓ جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مضاربت کا معاملہ کیا اور آپؐ نے ان کو منع نہیں فرمایا اور اگر یہ جائز نہ ہوتا تو آپ ضرور منع فرماتے گویا اس کا جواز حدیث تقریری سے ثابت ہے۔ ان حضرات کی یہ دلیل صرف اس وقت قابلِ اعتماد اور لائق استدلال ہو سکتی ہے جب وہ صحیح روایات سے متعدد ایسی مثالیں پیش کریں جن

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

[illegible] ہو کہ متعدد صحابہ کرام نے متعدد اوقات میں مضاربت کے معاملے کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئے لیکن آپؐ نے ان کو منع نہیں فرمایا اور خاموشی کے ساتھ برقرار رکھا اور یہ کہ ایسا تحریم ربوٰ کے اعلان کے بعد ہوا۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ دعوٰی ثابت نہیں ہو سکتا کہ اسلام نے اس معاملے کو حسبِ سابق جاری اور قائم رکھا، رہی حضرت عباسؓ والی روایت تو جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا یہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف و ناقابلِ اعتبار ہے۔ نیز اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ تحریم ربوٰ سے پہلے کی ہو۔

اسی طرح جوازِ مضاربت کے متعلق یہ دعوٰی کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہوا بے دلیل دعوٰی ہے، دو تین صحابہ کرام کا یتیموں کی مصلحت کی خاطر یتیموں کے مال کو مضاربت پر دینا، زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ یتیموں کی حد تک یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے۔ جو خود کام کرنے اور کمانے سے معذور ہوتے ہیں، اور پھر اس کو اجماعِ صحابہ کا نام دینا زبردستی کی بات ہے۔

یہاں میں علامہ ابن حزم کی اس عبارت کو نقل کرنا اور اس پر بحث کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو ان کی کتاب مراتب الاجماع میں ہے اور متعدد علماء نے اپنی کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے میرے پاس چونکہ اصل کتاب مراتب الاجماع موجود ہے لہٰذا میں براہ راست اصل کتاب کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ وہ عبارت اس طرح ہے:

كل ابواب الفقه ليس منها باب إلّا وله اصل فى القرآن والسنة نعلمه ولله الحمد حاشا القراض فما وجدنا له اصلاً فيهما البتة ولكنه اجماع صحيح مجرد، والذى نقطع عليه انه كان فى عصر النبى صلّى الله عليه وسلم وعلمه فاقره، لولا ذلك ماجاز۔

ترجمہ: فقہ کے تمام ابواب میں کوئی باب ایسا نہیں مگر اس کی اصل اور دلیل قرآن و سنّت میں موجود ہے جسے بحمد اللہ ہم جانتے ہیں سوائے قراض و مضاربت کے کہ ہمیں اس کے لئے قرآن و سنّت میں قطعاً کوئی اصل اور دلیل نہیں ملی لیکن اس کی اصل صرف اجماعِ مجرّد ہے یعنی جس کی کتاب و سنّت میں کوئی سند نہیں، اور جو بات قراض کے متعلق ہم قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ قراض عہدِ رسالت میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاننے کے باوجود اس سے منع نہیں کیا اور برقرار رہنے دیا، اور اگر یہ [illegible] قرینہ مانا [illegible] پڑتا

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

علامہ ابن حزم نے اس عبارت میں قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ دعوٰی کیا ہے کہ قرآن اور سنت میں قراض و مضاربت کے جواز کے لئے کوئی اصل اور کوئی سند نہیں۔ پھر یہ فرمایا ہے کہ مضاربت کے جواز کی بنیاد اور دلیل اجماع ہے اور اجماع بھی وہ جس کی کتاب و سنت میں کوئی سند نہیں یعنی اجماعِ مجرّد، تیسری بات یہ فرمائی کہ چونکہ قراض و مضاربت کا معاملہ عہدِ نبوّت میں رائج تھا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس کا علم بھی تھا لیکن آپؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ناجائز نہیں اگر ہوتا تو آپؐ اس سے ضرور منع فرماتے۔

علامہ ابن حزم کی اس عبارت پر میں اپنے خیالات پیش کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ اعتراضات نقل کر دوں جو کتاب مراتب الاجماع کو شائع کرنے والے ایک صاحبِ علم نے اس عبارت پر فٹ نوٹ میں لکھے ہیں، اس عبارت پر ان کا پہلا اعتراض یہ کہ ابن حزم جس مسلکِ ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں اس کی رُو سے صرف وہی اجماع صحیح اور قابلِ اعتبار ہے جس کی سند کتاب و سنّت میں موجود ہو اور چونکہ خود ان کے بقول کتاب و سنّت میں قراض و مضاربت کے لئے کوئی سند اور اصل موجود نہیں۔ لہٰذا ان کے مذہب ظاہری کی رُو سے یہ اجماع صحیح نہیں، دوسرا اعتراض یہ کہ علامہ ابن حزم کے نزدیک تحقق اجماع کے لئے کسی کی مخالفت کا علم نہ ہونا کافی نہیں بلکہ یہ علم ہونا ضروری ہے کہ کسی نے مخالفت نہیں کی۔ حالانکہ قراض کے متعلق وہ جس اجماع کے قائل ہیں وہ کسی کی مخالفت کا علم نہ ہونے پر ہے۔ اس علم پر نہیں کہ کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، تیسرا اعتراض یہ کہ ابن حزم ایک طرف تو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں قراض پر تعامل تھا۔ اور آپؐ کو اس کا علم بھی تھا لیکن آپؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ کہ قراض کے جواز کے لئے اگر قولی اور فعلی سنّت موجود نہیں تو تقریری سنّت ضرور موجود ہے جو بجائے خود ایک اصل اور سند ہے، اور دوسری طرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ کتاب اور سنّت میں قراض کے لئے کوئی اصل نہیں کھلا ہوا تضاد ہے، چوتھا اعتراض یہ کہ علامہ ابن حزم کا جس مسلکِ ظاہری سے تعلق ہے اس کا دعوٰی ہے کہ ہر جزوی مسئلہ کے لئے کتاب و سنّت میں نص کا موجود ہونا ضروری ہے تو پھر ابنِ حزم مسئلہ قراض کے متعلق نص کے وجود کا کیسے انکار کرتے ہیں؟ پانچواں اعتراض یہ کہ قرآن مجید کی آیت اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

© rasailojaraid.

سے قراض کا جواز بھی نکلتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کی کوئی اصل نہیں، چھٹا اعتراض یہ کہ جن چند روایات کے پیشِ نظر ابن حزم عہدِ رسالت میں مضاربت وقراض کے وجود کے قطعیت کے ساتھ قائل ہیں وہ روایات محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں جن سے زیادہ سے زیادہ علم ظنی تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن علم قطعی و یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ عبارت میں نقطع علیہ کا لفظ غیر مناسب ہے۔

جہاں تک میری طالب علمانہ تحقیق و جستجو کا تعلق ہے پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر علامہ ابنِ حزم اور علامہ ابو عبد الملک کی مراد یہ ہے کہ قرآن اور سنّت میں قراض کے لئے کوئی واضح اور جزدی صراحت کے ساتھ کوئی آیت یا حدیث موجود نہیں جس میں قراض کے اختیار کرنے نہ کرنے کا ذکر ہو تو یہ درست ہے، اور اگر مراد یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کوئی ایسا مبدأ عام اور تصورِ کلّی بھی موجود نہیں جس سے مضاربت کا جواز مستنبط ہوتا ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید میں ایک ایسا اصل کلی ضرور موجود ہے جس میں دوسرے معاشی معاملات کی طرح قراض و مضاربت کے لئے بھی اجمالی روشنی و راہنمائی موجود ہے اور جس سے مضاربت کی شرعی حیثیت کا بخوبی تعین ہو سکتا ہے، ایسا اصل کلی یا اصولی تصور قرآن مجید کی جس آیت سے نکلتا اور مستنبط ہوتا ہے وہ سورۂ البقرہ کی یہ آیت ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

اور اللہ نے معاملۂ بیع کو حلال اور معاملۂ ربٰو کو حرام ٹھہرایا

اس آیت میں بظاہر تو دو جزدی اور خاص معاشی معاملات کے متعلق دو جزدی حکم ہیں یعنی معاملۂ بیع حلال و جائز اور معاملۂ ربٰو حرام و ناجائز ہے لیکن دراصل اس میں جملہ معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق ایک اصولی تصور اور کلی ضابطہ بیان ہوا ہے جس کی روشنی میں یہ سمجھا اور معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے کونسا معاشی معاملہ ہر پہلو سے قطعی حرام اور ناجائز معاملہ ہے اور کونسا قطعی حلال اور جائز معاملہ اور کون سا بعض پہلوؤں سے حلال و جائز اور بعض پہلوؤں سے حرام و ناجائز یعنی بین بین اور مشتبہ معاملہ ہے۔ گویا اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو معاشی معاملات اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی وضع و ساخت اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ بیع و تجارت کی طرح ہیں۔ وہ قطعی طور پر حلال و جائز، اور جو معاملۂ ربٰو

© rasailojaraid.

کی طرح ہیں وہ قطعی طور پر حلال بتایا گیا ہے" اور جو ایک پہلو سے بیع کی طرح اور دوسرے پہلو سے ربٰو کی طرح ہیں وہ مشتبہ و مکروہ ہیں۔

معاملۂ بیع کی حقیقت و ماہیت جس کو ہر کاروباری آدمی جانتا اور بادنیٰ غور و فکر جان سکتا ہے صرف یہ کہ اس میں ایک تاجر اپنے سرمائے کے ساتھ دماغی و جسمانی محنت و مشقت کے ذریعے خرید و فروخت کا کام کرتا اور نفع کماتا ہے، دماغی محنت اس کی وہ ہوتی ہے جو وہ مال خریدنے اور بیچنے سے پہلے سوچتا اور غور و فکر کرتا ہے کہ اس کو کیا مال کب اور کہاں سے خریدنا اور کب اور کہاں بیچنا چاہیے وغیرہ اور جسمانی محنت اس کی وہ دوڑ دھوپ اور جدوجہد ہوتی ہے جو وہ مال خریدنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے اور حفاظت کرنے میں برداشت کرتا ہے۔ اور چونکہ انسانی محنت و مشقت پیدائش مال و دولت کا ایک ایسا عامل اور ذریعہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ ہر معاشی نظام سے تعلق رکھنے والے خواہ اشتراکی ہوں یا سرمایہ دار انسانی محنت کو پیدائش دولت کا ذریعہ تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا معاملۂ بیع میں ایک تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر جو مزید مال حاصل ہوتا ہے وہ اس محنت و مشقت کا عوض اور ثمرہ ہوتا ہے جو تاجر کو بذات خود اٹھانی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس کے جواز میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں بشرطیکہ تاجر نے اس میں کسی دھوکے اور جھوٹ سے کام نہ لیا ہو۔ جو معاملۂ بیع و تجارت کی ماہیت میں داخل نہیں بلکہ ایک خارجی اور عارضی چیز ہے۔ بنابریں ہر وہ معاشی معاملہ معاملۂ بیع کی تعریف میں آتا اور حکم جواز میں اس کا مماثل قرار پاتا ہے جس میں ہر فریق اپنی دماغی جسمانی محنت و مشقت کی بنا پر ربح و نفع کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

معاملۂ ربٰو کی حقیقت و ماہیت جو عام طور پر متعارف اور جانی پہچانی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں ایک فریق اپنا مال دوسرے کو بطور قرض دیتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد مقروض قرض کا اصل مال مع اضافہ کے ادا کرے گا اور اس میں اس اضافہ کے عوض قرض دینے والے کی طرف سے نہ کوئی پیداآور محنت و مشقت موجود ہوتی ہے اور نہ کوئی نفع بخش مادی شے۔ لہٰذا وہ دوسرے کی چیز بلا عوض لیتا ہے۔ بنابریں ہر وہ معاشی معاملہ معاملۂ ربٰو کے مماثل و مشابہ قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق اپنے مال کے تحفظ کی ضمانت کے ساتھ ساتھ بغیر کسی پیداآور محنت و مشقت کے کسی مزید مال کا حقدار ٹھہرتا ہے خواہ اس کا نام کچھ بھی کیوں نہ ہو۔

© rasailojaraid.

اب جب ہم اس مذکورہ اصولی ضابطے اور کلی تصور کی روشنی میں معاملۂ قراض و مضاربت
جائزہ لیتے ہیں تو یہ معاملہ بعض پہلوؤں سے معاملۂ بیع کے مشابہ اور بعض پہلوؤں سے
معاملۂ ربٰو کے مماثل نظر آتا ہے۔ مثلاً اس پہلو سے معاملہ بیع کے مشابہ نظر آتا ہے کہ اس میں
عامل مضارب خرید و فروخت کا عمل کرتا ہے اور اپنی دماغی جسمانی محنت و کاوش کے عوض
منافع کے ایک حصہ کا مستحق بنتا ہے۔ نیز اس پہلو سے بھی کہ اس میں بصورت خسارہ و نقصان،
سرمایہ لگانے والا فریق پورے کا پورا نقصان و خسارہ خود برداشت کرتا ہے جس طرح کہ اپنے مال
کے ساتھ خود تجارت کرنے کی صورت میں نقصان ہو جائے تو تاجر کو خود برداشت کرنا پڑتا ہے،
یا بصورت نقصان، نقصان برداشت کرنے کے لحاظ سے رب المال یعنی سرمائے والا فریق بھی
تجارت میں شریک ہوتا گو عمل کے لحاظ سے شریک نہیں ہوتا۔ اور جس پہلو سے معاملۂ مضاربت،
معاملۂ ربٰو سے مشابہ ہے کہ اس کی صورت میں رب المال کو اپنے اصل سرمائے پر
زائد مال ملتا ہے اس کے عوض اس کی طرف سے کوئی پیدا آور دماغی و جسمانی محنت و مشقت
موجود نہیں ہوتی جو اسے زائد مال کا حق دار ٹھہراتی ہو، جہاں تک نقصان کے خطرے و اندیشے
کا تعلق ہے جو نقصان کی صورت میں بعض دفعہ رب المال کو برداشت کرنا پڑتا ہے تو وہ حقیقت
میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو صحیح معنوں میں مال کا بدل قرار دیا جاسکتا ہو اور اگر ایسا ہوتا تو
پھر میسر و قمار یعنی جوئے کو ضرور جائز ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اس میں ہارنے اور نقصان اٹھانے
کا خطرہ و اندیشہ، قراض و مضاربت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ موجود ہوتا ہے، اسی طرح رسک
اور خطرے کو اگر زائد مال کے جواز کی بنیاد تسلیم کر لیا جائے تو پھر ربٰو کو بھی عقلی طور پر حرام ثابت کرنا
مشکل ہو جاتا ہے۔ بہرحال قراض اور قمار میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ قراض میں رب المال نقصان
کو خوشی کے ساتھ برداشت کرتا اور میسر و قمار میں ہارنے والا نقصان کو بادل نخواستہ اور ناخوشی
کے ساتھ برداشت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ جوئے بازوں کے درمیان خونریز لڑائی
جھگڑے کی شکل ظہور میں آتی ہے۔

اسی طرح عملی اثرات و نتائج کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بعض اثرات و نتائج کے اعتبار
سے معاملۂ مضاربت، معاملۂ بیع و تجارت سے اور دوسرے بعض اثرات و نتائج کے لحاظ سے
معاملۂ ربٰو کے مماثل نظر آتا ہے۔ مثلاً اس میں بھی خرید و فروخت کے ذریعے اشیاء ضرورت
کا تبادلہ ہوتا اور لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس پہلو سے یہ معاملہ بیع و تجارت کی

© rasailojaraid

کی طرح ہے، اور چونکہ اس میں بھی بعض متمول افراد کو بغیر کسی دماغی جسمانی محنت و مشقت کے راحت و آرام کے ساتھ غیر فطری طریقہ سے مال ملتا ہے اور ان کے تمول میں اضافہ ہوتا ہے لہٰذا ان کے اندر اسی قسم کی معاشرتی برائیاں رونما ہوتی ہیں جیسی کہ سود خور لوگوں کے اندر جنم لیتی اور ابھرتی ہیں، احسان و ایثار کا اخلاقی جذبہ مضمحل اور مردہ پڑ جاتا ہے نیز اسراف و تبذیر کی برائی ظہور میں آتی ہے۔

پھر جہاں تک تراضی فریقین کا تعلق ہے جو قرآن و حدیث کی رو سے معاملات کے صحت کے لئے ضروری ہے اور جس کا قرآن مجید کی اس آیت میں واضح بیان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم آپس
لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ
بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً	سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کا طریقہ اور
عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ	باہمی رضامندی سے ہو۔

(النساء)

بلاشبہ یہ تراضی، معاملہ قراض و مضاربت کے اندر رب المال اور عامل کے درمیان موجود ہوتی ہے لیکن یہ تراضی اس درجہ کی نہیں ہوتی جس درجہ کی تجارت کے اندر بائع اور مشتری کے درمیان ہوتی ہے، بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں فریقین کے مابین عام طور پر جو رضامندی ہوتی ہے وہ ظاہری و باطنی اور کامل ہوتی ہے بخلاف معاملۂ مضاربت کے کہ اس میں رب المال اور عامل کے درمیان جو رضامندی پائی جاتی ہے وہ ظاہری اور ناقص قسم کی ہوتی ہے اس کا ثبوت یہ کہ جس کے پاس حسب ضرورت اپنا سرمایہ ہو وہ مضاربت پر دوسرے کے سرمائے کے ساتھ کام نہیں کرتا کیونکہ اپنے سرمائے کے ساتھ تجارت کرنے کی صورت میں اسے پورا نفع ملتا ہے جبکہ دوسرے کے سرمائے کے ساتھ تجارت کرنے کی صورت میں پورے نفع کا ایک حصہ ملتا ہے اور کون ہے جو خوشی کے ساتھ پورے کے مقابلہ میں ادھورے کو پسند اور اختیار کرتا ہے! بلکہ ایسے بکثرت واقعات ہیں کہ مضاربت پر کام کرنے والوں کے پاس جب ضرورت کے مطابق اپنا سرمایہ جمع ہو گیا تو انہوں نے مضاربت کو چھوڑ کر اپنے سرمائے کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا، اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مضاربت میں کام کرنے والا فریق پوری خوشی و رضامندی سے کام نہیں کرتا۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

بلکہ اس مجبوری کے تحت کرتا ہے کہ اس کے پاس حسب ضرورت اپنا سرمایہ موجود نہیں ہوتا" اور یہ مجبوری معاملۂ ربٰو کے اندر مضاربت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوا کرتی ہے حالانکہ عام طور پر معاملۂ ربٰو کے فریقین کے مابین بھی رضامندی پائی جاتی ہے۔

بہر حال یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ معاملۂ مضاربت اپنی بناوٹ و ساخت" اپنی روح و اسپرٹ اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے نہ سو فیصد معاملۂ بیع و تجارت کی طرح ہے اور نہ سو فیصد معاملۂ ربٰو کی طرح، لہٰذا نہ اسے معاملۂ بیع کی طرح طیب حلال کیا جاسکتا ہے اور نہ معاملۂ ربٰو کی طرح قطعی حرام، بلکہ دونوں کے بین بین ایسا معاملہ ہے جو مشتبہات کے زمرہ میں آتا ہے، سنن ابی داؤد وغیرہ میں ایک حدیث نبوی اس طرح ہے:

عن نعمانؓ بن بشیر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان الحلال بیّن وان الحرام بیّن وبینھما امور مشتبھات لا یعلمھا کثیر من الناس، فمن اتقی الشبھات استبرأ دینہ وعرضہ، ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام:

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ حلال بھی بیّن و واضح ہے اور حرام بھی بیّن و واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کئی مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، سو یاد رکھو کہ جو مشتبہ امور سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیا، اور جو مشتبہ امور میں پڑا گویا وہ حرام میں مبتلا ہوا۔

اس حدیث نبویؐ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ کچھ امور و معاملات نمایاں طور پر حلال اور کچھ نمایاں طور پر حرام ہیں چنانچہ بیع و تجارت قطعی و صریح طور پر حلال اور ربٰو قطعی اور صریح طور پر حرام ہے اور کچھ نہ واضح طور پر حلال اور نہ صریح طور پر حرام ہیں کیونکہ ان کے اندر حلت و حرمت دونوں کی وجوہ پائی جاتی ہیں ایسے امور و معاملات مشتبہ کہلاتے ہیں۔ ایسے مشتبہ معاملات سے احتراز کرنا مسلمان کے دین کے لئے بھی بہتر اور اس کی دنیوی عزت و آبرو کے لئے بھی مفید رہتا ہے۔ اور ایسے مشتبہ معاملات میں پڑنا اور ان کو اختیار کرنا بتدریج بالآخر حرام میں مبتلا کرتا ہے جو اس کے دین و دنیا کے لئے برباد و مضر ہے مطلب یہ کہ مسلمان کو مشتبہ امور و معاملات سے حتی المقدور بچنے کی کوشش کرنی چاہئیے اور یہ کہ ان سے بچنا ان میں پڑنے سے بہتر ہے

اس قسم کے مشتبہ امور و معاملات، فقہ کی اصطلاح میں مکروہات کی تعریف میں آتے

© rasailojaraid.

لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جائز تو بایں معنی ہوتے ہیں کہ حرام نہیں ہوتے لیکن ان کا نہ کرنا ، کرنے سے بہتر ہوتا ہے یا بالفاظِ دیگر ان کا ترک کرنا اختیار کرنے سے بہتر ہوتا ہے ، جیسا کہ پیچھے ایک جگہ عرض کیا گیا۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں جائز کے دو معنے ہیں: ایک جائز بمعنے "ما لم یحرم او ما لا یعاقب علیہ" یعنی جو حرام نہیں اور جس پر عذاب نہیں اس معنے میں فعل مکروہ بھی آجاتا ہے کیونکہ وہ حرام بھی نہیں اور اس کے کرنے پر عذاب بھی نہیں، اور دوسرا جائز بمعنے "ما یثاب علیہ" یعنی جس کے کرنے پر ثواب ہے۔ اس معنے میں فرض ، واجب اور مستحب داخل ہیں۔ گویا بعض امور و معاملات شرعاً جائز تو ہوتے ہیں لیکن کراہیت کے ساتھ جیسے طلاق کہ شرعاً جائز تو ہے لیکن سخت کراہیت کے ساتھ کیونکہ حدیث میں اس کو "اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ" فرمایا گیا ہے یعنی مباح لیکن نہایت بری مباح۔

غرضکہ اسی طرح مضاربت نہ تو بیع کی طرح حلال ہے اور نہ ربٰو کی طرح حرام تو قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے اس کے لئے جو حکم مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ معاملہ مکروہ یعنی جائز لیکن ناپسندیدہ اور جس کا ترک کرنا کرنے سے بہتر ہے کیونکہ حلال و حرام کے درمیان جو معاملہ یا چیز ہوگا اس کی شرعی حیثیت مکروہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

میں چونکہ علماء کے اس زمرے سے تعلق رکھتا ہوں جو قرآن مجید کو اصول و مبادی کے لحاظ سے نہایت جامع اور مکمل کتابِ زندگی مانتے اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ایسے تمام اصول کلیہ اور مبادی عامہ موجود ہیں جن کے اندر ہر شعبۂ زندگی کے جملہ جزوی مسائل کے لئے اجمالی ہدایت و روشنی پائی جاتی ہے۔ زندگی کا کوئی معاملہ اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کی شرعی حیثیت کا تعین قرآنی اصولوں کی روشنی میں نہ کیا جا سکتا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر قرآن حکیم بلحاظ رشد و ہدایت ایک جامع اور مکمل کتاب کیسے ہو سکتا ہے جب کہ یہ ظاہر ہے کہ اس کے اندر تمام جزوی مسائل کے لئے تفصیلی اور الگ الگ جزوی احکام مذکور نہیں ، مطلب یہ کہ اس کا جامع اور کامل ہونا" اساسی تصورات اور بنیادی اصولوں کے لحاظ سے ہے لہٰذا میرے نزدیک یہ بات درست نہیں کہ معاملۂ مضاربت کے متعلق کتاب و سنت کے اندر کوئی اصولی ہدایت بھی موجود نہیں ۔ کتاب اللہ کی مذکورہ آیات میں مضاربت کے متعلق جو اجمالی ہدایت ہے وہ میں اوپر عرض کر چکا ، اور سنت کے اندر جو اصولی ہدایت ہے وہ یہ کہ

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو قولاً اس سے منع فرمایا ہے اور نہ عملاً کبھی اس کو اختیار فرمایا ہے، زبانِ مبارک سے منع نہ فرمانا ' اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک مضاربت حرام نہیں ورنہ ضرور منع فرماتے، اور عملاً کبھی اس کو اختیار نہ کرنا اور کسی کو کبھی مال مضاربت پر نہ دینا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے نزدیک مستحب و پسندیدہ معاملہ نہیں۔ ورنہ آپ اس کو کبھی نہ کبھی ضرور اختیار فرماتے' اس حقیقتِ حال سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ معاملہ کراہیت کے ساتھ جائز ہے۔ ٹھیک یہی بات قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے بھی نکلتی اور مستنبط ہوتی ہے۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر اسرار احمد کی
جامع تصنیف
نبی اکرم کا مقصدِ بعثت
کا مطالعہ کیجیے
مرکزی انجمن خدام القرآن

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں

© rasailojaraid.com